بدرجہا زیادہ ان حضرات کی خدمت کی، ان کے حق کو ہر دوسرے حق پر مقدم رکھا، اور جو وظائف ان کے لیے جاری کیے وہ خیبر اور فدک اور مدینہ طیبہ کی جائدادوں کے محاصل سے کہیں بڑھ کر تھے۔ دوسری بات جو اس سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے، بلکہ اس مسئلے میں فیصلہ کن ہے، وہ یہ ہے کہ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی اس جائداد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث قرار دے کر وارثوں میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اسے بدستور وقف فی سبیل اللہ ہی رہنے دیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعی میراث ہی تھی تو حضرت علیؓ کے لیے اپنے زمانۂ اقتدار میں وارثوں کو اس سے محروم رکھنا کیسے جائز ہو گیا؟ اسے ظلم ہی کہنے کو کسی کا جی چاہتا ہو تو پھر اسے اتنا انصاف تو کرنا ہی چاہیے کہ جس جس نے اس کا ارتکاب کیا ہے ان سب کو ظالم کہے۔ ایک ہی فعل پر کسی کے حق میں ایک فیصلہ اور کسی دوسرے کے حق میں دوسرا فیصلہ کرنا حق پرست آدمی کا کام نہیں ہے۔

واقعۂ قرطاس کی تحقیق

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مشہور واقعۂ قرطاس کی اصل نوعیت کیا ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اس معاملہ میں کیا موقف ہے؟

جواب: اس واقعہ کے متعلق امام بخاری نے کتاب العلم، کتاب الجزیہ اور کتاب المغازی میں، امام مسلم نے کتاب الوصیۃ میں، اور امام احمد نے مسند ابن عباس میں متعدد روایات مختلف سندوں سے نقل کی ہیں جن کا سلسلہ ابن عباس رضی اللہ عنہ پر تمام ہوتا ہے۔ کسی دوسرے صحابی سے اس باب میں کوئی صحیح روایت منقول نہیں ہوئی ہے۔ خلاصہ ان سب روایات کا یہ ہے کہ وفات سے چار روز پہلے جمعرات کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدید تکلیف طاری تھی اور آخری وقت قریب معلوم ہو رہا تھا۔ اس حالت میں آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ لکھنے کا سامان لاؤ، میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ اُس وقت گھر میں بہت سے لوگ جمع تھے۔

حضرت عمرؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سخت تکلیف میں ہیں، ہمارے پاس قرآن موجود ہے، اللہ کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے۔ اس پر اختلاف ہو گیا۔ بعض لوگوں نے کہا نہیں سامانِ کتابت لے آنا چاہیے تاکہ حضور وہ چیز لکھوا دیں جس کے بعد ہم گمراہ نہ ہو سکیں۔ اور بعض اصحاب نے حضرت عمرؓ کے خیال کی تائید کی۔ کچھ اور لوگوں نے کہا کہ حضورؐ سے پھر دریافت کر لو، آپ واقعی کچھ لکھوانا چاہتے ہیں یا یہ بات آپ نے غلبۂ مرض کی وجہ سے گھبراہٹ میں فرمائی ہے[1]۔ اس طرح بعض لوگ آپس میں بحث کرنے لگے اور بعض حضورؐ سے آپ کا مدعا پوچھنے میں لگ گئے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا ذروني فالذي انا فيه خير مما تدعوني اليه۔ قوموا عني ولا ينبغي عندي التنازع۔ "مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو"۔ "میرے پاس سے اُٹھ جاؤ، میرے پاس جھگڑا کرنا ٹھیک نہیں ہے"۔ اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی۔ ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا۔ دوسری یہ کہ جو وفود باہر سے آئیں ان کی اسی طرح خاطر داری کرنا جس طرح میں کرتا تھا۔ اور تیسری بات یا تو حضورؐ ہی کی زبان سے ادا نہ ہوئی یا راوی سے فراموش ہو گئی۔ روایات اس باب میں بھی واضح نہیں ہیں کہ ابن عباسؓ نے اس کو فراموش کیا یا بیچ کے کسی راوی نے۔

یہ ہے کل کائنات اس قصے کی۔ اگر کوئی سیدھے طریقے سے بات سمجھنا چاہے تو اصل صورت معاملہ کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی۔ اپنے محبوب ترین پیشوا اور رہبر کو دنیا سے رخصت ہوتے دیکھ کر سب لوگوں پر اضطراب کا عالم طاری تھا۔ مرض شدت پکڑ چکا تھا۔ سب کی آنکھوں کے

---

[1] اصل الفاظ ہیں مَا شَانُهٗ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ۔ بعض لوگوں نے غلطی سے اَهَجَرَ سمجھ لیا ہے، حالانکہ تمام معتبر روایات میں اَهَجَرَ آیا ہے، یعنی اس میں ہمزہ استفہام کا ہے۔ اور هَجَرَ یَهْجُرُ کے معنی ہیں وہ باتیں جو مریض غلبۂ مرض کی حالت میں گھبراہٹ کی وجہ سے یا بے حواسی کے عالم میں کرتا ہے۔ نیز یہ قول کسی روایت میں بھی حضرت عمرؓ کی طرف منسوب نہیں کیا گیا ہے بلکہ قالوا کے ساتھ منقول ہوا ہے یعنی جو لوگ وہاں موجود تھے ان میں سے بعض نے یہ کہا

سامنے حضورؐ سخت کرب کی حالت میں مبتلا تھے۔ ابن عباس کا اپنا حال یہ تھا کہ اس واقعہ کے سالہا سال بعد ایک روز شاگردوں کے سامنے ان کی زبان پر جمعرات کا لفظ آیا اور یکایک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ شاگردوں نے پوچھا جمعرات کا کیا قصہ ہے جسے یاد کر کے آپ یوں بدحال ہوئے جا رہے ہیں۔ فرمایا وہ دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت تکلیف کا تھا (اشتد بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ)۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عین اُس وقت جبکہ حضورؐ پر یہ حالت طاری تھی، آپ کے جاں نثار خادموں پر کیا گزر رہی ہوگی۔ اس حالت میں قلم دوات منگوانے کے لیے حضورؐ نے ارشاد فرمایا اور غرض یہ بیان فرمائی کہ ایسی کوئی چیز لکھوا دیں جس سے امت بعد میں گمراہ نہ ہونے پائے۔ مرض کی شدت میں ممکن ہے کہ بات صاف بھی زبانِ مبارک سے ادا نہ ہوئی ہو۔ اسی وجہ سے بعض حاضرین کو شبہ ہوا کہ گھبراہٹ میں آپ نے کچھ فرمایا ہے جسے پھر پوچھ کر تحقیق کرنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر جو کچھ کہا اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ حضورؐ اس وقت سخت تکلیف میں مبتلا ہیں، اس حالت میں آپ امت کے لیے فکرمند ہو رہے ہیں اور کچھ لکھوانے کی زحمت اٹھانا چاہتے ہیں تاکہ لوگ آپ کے بعد گمراہ نہ ہونے پائیں، لیکن اس وقت آپ کو یہ زحمت دینی مناسب نہیں ہے، امت کی ہدایت کے لیے قرآن موجود ہے، انشاء اللہ وہی گمراہی سے بچانے کے لیے کافی ہوگا۔" ممکن ہے اس کے ساتھ حضرت عمرؓ کو یہ بھی اندیشہ ہو کہ اگر تحریر لکھواتے لکھواتے حضورؐ کا وقت آن پورا ہوا اور بات ادھوری رہ گئی تو کہیں وہ الٹی فتنے ہی کی موجب نہ بن جائے۔ بہرحال یہ بالکل فطری امر تھا کہ اُس موقع پر کوئی علم اور ہدایت کی حرص میں اس بات کا طالب ہوا کہ حضورؐ سے ضرور کچھ لکھوا لیا جائے، اور کسی نے محبت کی وجہ سے بھی اور دُور اندیشی کی بنا پر بھی آپ کو یہ زحمت دینا مناسب نہ سمجھا، اور کوئی اس شک میں پڑ گیا کہ حضورؐ واقعی کچھ لکھوانا ہی چاہتے ہیں یا شدتِ مرض کی وجہ سے گھبراہٹ میں کچھ فرما رہے ہیں۔ ان تینوں قسم کے لوگوں میں سے کسی کی بات بھی ایسے موقع پر نہ تو خلافِ توقع ہی تھی اور نہ اسے نامناسب ہی کہا جا سکتا ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ حضورؐ جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے آیا اس کی نوعیت عام نصائح کی سی تھی، یا کسی ایسے اہم حکم کی جسے ثبت کرا دینا امت کی ہدایت کے لیے ضروری تھا، تو اس کا فیصلہ بعد کے واقعات

نے خود ہی کر دیا۔ حضور اس واقعہ کے بعد بھی چار دن تک زندہ رہے۔ ان دنوں میں مرض کی شدت کا حال بھی یکساں نہیں رہا۔ اور اس زمانے میں وہی سب لوگ آپ کے پاس بیٹھے بھی نہیں رہے جو جمعرات کے دن اُس وقتِ خاص پر موجود تھے بلکہ اِس مدت میں آپ کو مسجدِ نبوی میں تشریف لے جانے اور جماعت صحابہ سے خطاب کرنے کا موقع بھی ملا تھا۔ اگر واقعی کوئی اہم حکم ایسا ہوتا جسے ضبطِ تحریر میں لانا ضروری تھا تو حضورؐ اِن دنوں میں کسی وقت بھی اپنے کاتبوں میں سے، یا خود اہلِ بیت میں سے کسی کو بلا کر اُسے لکھوا سکتے تھے یا زبانی ارشاد فرما سکتے تھے۔ اس سے حضرت عمرؓ کے موقف کی صحت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ انہوں نے ٹھیک سمجھا تھا کہ شدتِ مرض میں اُمت کی فلاح کے لیے حضور فکر مند ہو رہے ہیں اور کچھ نصائح لکھوانا چاہتے ہیں، کسی بنیادی مسئلے کا فیصلہ لکھوانا اِس حالت میں پیشِ نظر نہیں ہے، اس لیے اس تکلیف اور کرب کے عالم میں حضورؐ کو یہ زحمت دینا ٹھیک نہیں، ہمیں قلم دوات لانے کے بجائے حضورؐ کو یہ اطمینان دلانا چاہیے کہ آپ ہمارے لیے پریشان نہ ہوں، آپ اپنی امت کو وہ کتاب ہدایت دے کر جا رہے ہیں جو انشاء اللہ اسے کبھی گمراہ نہ ہونے دیگی۔

آخر میں حضرت علیؓ کی بھی ایک روایت ملاحظہ فرما لی جائے جسے مسند احمد میں نقل کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

امرني النبي صلى الله عليه وسلم ان آتيه بطبق يكتب فيه ما لا تضل امته ..... من بعده، قال فخشيت ان تفوتني نفسه قال قلت اني احفظ واعي قال اوصي بالصلوة والزكوة وما ملكت ايمانكم۔	مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ شانے کی ایک ہڈی لے آؤں تاکہ آپ اس میں ایک ایسی چیز لکھ دیں جس سے آپ کی امت آپ کے بعد گمراہ نہ ہونے پائے۔ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کے لانے لاتے آپ کی وفات نہ ہو جائے اس لیے میں نے عرض کیا آپ فرمائیں میں

یاد رکھوں گا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا میں وصیت کرتا ہوں نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کرنے کی اور ان غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی جو تمہاری ملک میں ہوں۔